رسل کے مضامین

تالیف و تعارف
ڈاکٹر نعیم احمد

ترجمہ
قاضی جاوید

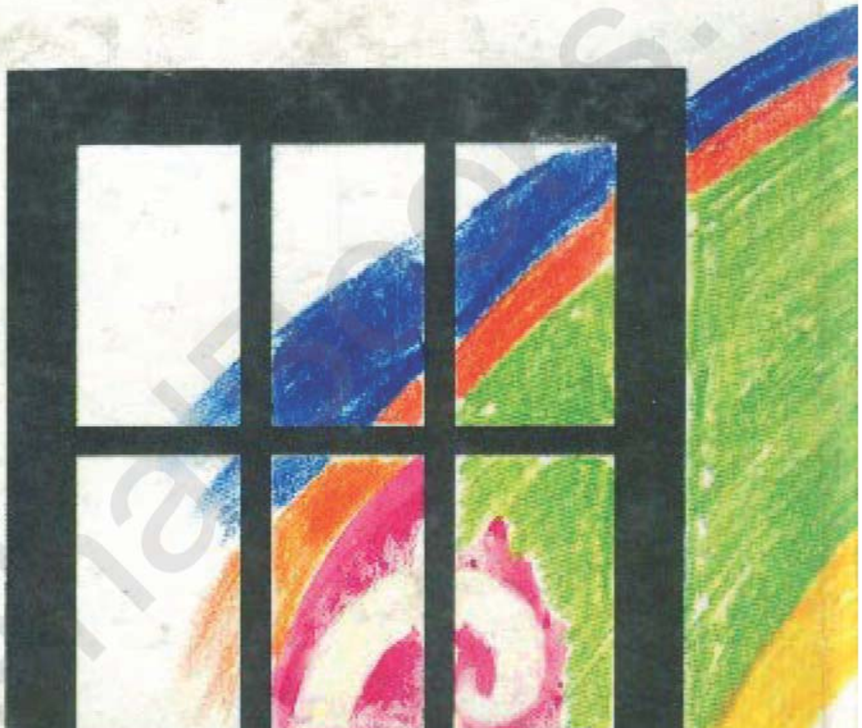

MashalBooks.org

رسل کے مضامین

تالیف وتعارف

ڈاکٹر نعیم احمد

ترجمہ

قاضی جاوید

مشعل

آر-بی 5 ' سیکنڈ فلور' عوامی کمپلیکس

عثمان بلاک' نیو گارڈن ٹاؤن' لاہور54600 ' پاکستان

MashalBooks.org

ترتیب

تعارف	ڈاکٹر نعیم احمد	3
فردآزاد کی عبادت		13
میرا عقیدہ		22
آزادی اور معاشرہ		59
خوش باش شخص		72
محبت اور زندگی		77
شادی		84
رومانی محبت		93
عورتوں کی آزادی		102

MashalBooks.org

تعارف

برٹرینڈ رسل کا شمار بیسویں صدی کے عظیم ترین مفکرین میں ہوتا ہے۔ وہ ۱۸۷۲ء میں برطانیہ کے ٹریلک ویلز (Trelleek Wales) کے مقام پر پیدا ہوا۔ رسل کے دادا کا نام لارڈ جان رسل تھا جس نے ۱۸۳۲ء میں مشہور ''ریفارم بل'' پیش کیا تھا اور بعدازاں ملکہ وکٹوریہ کے زمانے میں دوبارہ وزیراعظم منتخب ہوا۔ مشہور فلسفی جان اسٹورٹ مل رسل کے والدین کا دوست تھا۔ رسل کی ذہنی نشوونما میں مل کے افکار و نظریات اوراس کی غیررسمی تعلیم وتربیت کا بھی بڑا عمل دخل ہے۔ رسل ابھی بچہ ہی تھا کہ اس کے والدین انتقال کر گئے۔ رسل کے والد کی وصیت کی رو سے رسل اوراس کے بھائی کو ایک شخص کی تحویل میں دیا جانا تھا جس کے ان کے خاندان سے قریبی اور دوستانہ مراسم تھےلیکن بعدازاں عدالت کی دخل اندازی سے اس وصیت پر عمل درآمد روک دیا گیا اور دونوں بھائیوں کو ان کے حقیقی دادااور دادی کی تحویل میں دے دیا گیا۔ دوسال بعد رسل کا دادا بھی چل بسا۔ رسل کی دادی نے ہی رسل کی پرورش اور تربیت میں موثر کردارادا کیا۔ رسل نے دادی کا ذکر اپنی سوانح عمری میں نہایت محبت اور عقیدت سے کیا ہے۔ رسل کو ابتدائی تعلیم کے لیے مدرسہ نہیں بھیجا گیا بلکہ اس مقصد کے لیے شروع میں سوئس اور جرمن گورنسیں رکھی گئی تھیں اور بعدازاں ایک انگریز ٹیوٹر کا بندوبست کیا گیا تھا۔ رسل اپنی سوانح عمری میں دادی کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتا ہے۔

''میں بچپن میں ہی ان سے (دادی سے) بہت مانوس ہوگیا تھا۔ ان ہی کی شخصیت میرے لیے سب کچھ تھی۔ وہ بہت پڑھی لکھی خاتون تھیں۔ جب دیکھو کتاب لئے بیٹھی ہیں، وہ سیاست اور مذہب سے بھی لگاؤ رکھتی تھیں۔ ہم لوگوں پر سوائے اخلاقی پابندیوں کے اور کوئی پابندی انہوں نے عائد نہ کی تھی...... چودہ برس کی عمر میں آ کر میں دادی جان کے رویہ کا تجزیہ کرسکا، تب مجھے ان کی اخلاقی پاکیزگی بہت یاد آئی۔ بچوں کو جس

MashalBooks.org

احساسِ تحفظ کی ضرورت ہوتی ہے، وہ مجھے ان سے ملا...... جیسے جیسے میں بڑا ہوا مجھے احساس ہوتا گیا کہ میری زندگی کو بنانے سنوارنے میں ان کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔ بے خوفی، عوامی رجحانات اور روایت سے قدرے بغاوت کا جذبہ مجھے انہی سے ورثہ میں ملا۔''

۱۸۹۰ء میں رسل کیمبرج یونیورسٹی میں داخل ہوا۔ یہاں اس نے ۱۸۹۰ء سے ۱۸۹۴ء تک ریاضی اور فلسفہ کی تعلیم ''ٹرینٹی کالج'' میں حاصل کی۔ ۱۸۹۰ء سے ۱۹۰۱ء تک وہ ٹرینٹی کالج کا فیلو رہا اور پھر اسی کالج میں درس وتدریس کے فرائض انجام دیتا رہا۔ ۱۹۱۴ء میں رسل کو ٹرینٹی کالج سے اس کی آزادروی کی بنا پر نکال دیا گیا۔ ۱۹۱۹ء میں اسے ملازمت پر بحال کر دیا گیا لیکن رسل نے دوبارہ ملازمت کرنے سے انکار کر دیا۔

۱۹۱۴ء اور جنگ عظیم اول کے آغاز کے مابین کا دور وہ دور ہے جس میں ہمیں رسل فکر وتحقیق کی انتہائی بلندیاں چھوتا نظر آتا ہے۔

۱۹۱۴ء سے لے کر بیسوی صدی کے تیسرے عشرے کے اواخر تک رسل نے کوئی تعلیمی منصب حاصل نہیں کیا اور روزی کمانے کے لیے اس نے پبلک لیکچروں اور تصنیف وتالیف پر انحصار کیا۔ اس ضمن میں ''تاریخ فلسفہ مغرب'' سے اسے خاصی معقول آمدنی ہوئی۔ ول ڈیورنٹ کہتا ہے کہ برٹرینڈ رسل اصل میں دو تھے۔ ایک وہ جو جنگ عظیم اوّل کے آغاز تک زندہ رہا اور جنگ کے شروع ہوتے ہی مر گیا۔ دوسرا وہ جس نے جنگ کے بعد نیا جنم لیا۔ پہلا رسل منطقی ولسانی تجزیہ کا ماہر اور ریاضیاتی تجریدات کا عاشق تھا لیکن جنگ کے شعلوں نے اس رسل کو جلا کر بھسم کر دیا اور اس کی خاکستر سے نیا جنم لینے والا رسل ایک گہری سماجی بصیرت کا حامل اور انسان دوست نقطہ نظر کا حامی تھا۔ اس کا دل دکھی انسانیت کے آلام ومصائب پر کڑھتا تھا چنانچہ اسنے سماجی ناانصافیوں، حقوق انسانی کی پامالی اور جہالت کے خلاف پر کڑھتا تھا چنانچہ اس رسل نے سماجی ناانصافیوں، حقوق انسانی کی پامالی اور جہالت کے خلاف اعلان جہاد کر دیا۔ اس نے شروع میں ہی Principia Mathematica جیسی بلند پایہ کتاب شائع کر کے علمی حلقوں میں احترام و عزت کا مقام پیدا کر لیا تھا۔ یہ کتاب ۱۹۱۰ء، ۱۹۱۳ء کے زمانے میں چھپی تھی۔ اس کے بعد اس نے تقریباً بیس کے قریب فلسفیانہ کتابیں تحریر کیں۔ رسل کو ہم ریاضیاتی منطق کا امام کہہ سکتے ہیں۔ اس نہج پر بعدازاں جتنی بھی ترقی ہوئی وہ رسل کی ذہنی کاوشوں ہی کا رہین منت ہے۔ یہاں یہ ذکر بے جا نہ ہوگا کہ رسل اور وائٹ نے ریاضی اور منطق کے

ملاپ سے جو زبان تخلیق کی اس سے جدید کمپیوٹر کا امکان پیدا ہوا۔

پہلی جنگِ عظیم نے رسل کی توجہ جن مسائل کی طرف مبذول کرائی، وہ مجرد علمی نوعیت کے نہیں بلکہ خالص انسانی اور سماجی نوعیت کے ہیں۔ وہ آزاد روی، سماجی آزادی، آزاد تجارت، عام اور مفت تعلیم کا زبردست علمبردار تھا۔ انسان دوستی کے جذبات کے تحت ہی اس نے یہودیوں کی حمایت کی۔ متعصب انگریزوں میں اس کے خلاف سخت نفرت پیدا ہوگئی اور اس کی پاداش میں اسے قید و بند کی صعوبتیں بھی سہنا پڑیں۔

رسل نے ریاضیات، منطق، فلسفہ، مذہب اور تصوف کی حقیقت، علمیات اور متنوع سماجی اور تعلیمی مسائل پر متعدد کتب اور مضامین تحریر کیے ہیں۔ اس کے علاوہ اس نے ہلکے پھلکے مضامین اور افسانے بھی سپردِ قلم کئے ہیں۔ جو امر رسل کی عالمگیر شہرت اور عوامی مقبولیت کا باعث بنا ہے وہ اس کا عظیم منطقی اور ریاضی دان ہونا نہیں بلکہ پُرعزم انسان دوست اور عالمی امن کا سرگرم داعی ہونا ہے۔ برٹرینڈ رسل نے فروری ۱۹۷۰ء میں وفات پائی۔

اوپر یہ کہا جا چکا ہے کہ ابتدا میں رسل کی ساری دلچسپیاں ریاضی اور منطق تک محدود تھیں۔ بیسویں صدی کی دوسری دہائی میں اینگلو امریکن دنیا کے اندر منطقی اثباتیت کی تحریک کو بڑا فروغ حاصل ہوا۔ وٹگنسٹائن کے افکار کے زیرِ اثر وجود پذیر ہونے والی اس تحریک کا بنیادی مقصد مابعد الطبیعیاتی خرافات سے فلسفہ کی تطہیر اور اثباتی سائنسوں کے لئے مستحکم اساس کی تلاش تھا۔ منطقی اثباتی یہ کہتے تھے کہ تمام جملوں کو تین زمروں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔

الف: تجربی یا واقعاتی جملے۔

ب: تکراری جملے

ج: مابعد الطبیعیاتی جملے۔

تجربی یا واقعاتی جملے ان کے نزدیک اس لئے بامعنی ہیں کہ تجربہ سے ان کی تصدیق یا تکذیب ممکن ہے۔ تکراری جملے (Tautalogies) ریاضیات اور منطق کے قضایا ہیں اور اپنے اندر مساوات کا رشتہ لئے ہوتے ہیں، اس لئے انہیں بھی بامعنی کہا جا سکتا ہے۔ مثلاً ۴=۲+۲ مساوات کے دائیں طرف جو بات کہی گئی ہے وہی مساوات کے بائیں طرف بھی ہے۔ اس لحاظ سے یہ جملہ اگرچہ کوئی نئی اطلاع فراہم نہیں کرتا، تاہم

بامعنی کہلائے گا۔ جملوں کی تیسری قسم مابعد الطبیعیاتی جملے ہیں جو نہ تجربی جملے ہیں اور نہ ہی تکراری۔ اس لئے انہیں بامعنی قرار نہیں دیا جاسکتا۔ معنویت صرف تجربی اور تکراری جملوں تک محدود ہے۔ اسی طرح صرف سائنس کے جملے اور ریاضی و منطق کے جملوں کو ہی یہ شرف حاصل ہے کہ وہ بامعنی یا ''وقوفی'' کہلا سکیں۔ تصوف، مذہب اور مابعد الطبیعیات کے جملے اس بنا پر بے معنی ہو کر رہ جائیں گے کہ ان کی نہ تو تصدیق یا تکذیب ممکن ہے اور نہ ہی وہ اپنے اندر تکراری جملوں کی طرح مساوات کا رشتہ لیے ہوتے ہیں۔

رسل پر منطقی اثباتیت کے ان نظریات کا گہرا اثر تھا چنانچہ اس ضمن میں اس نے نہ صرف زبان کے مختلف مدارج کا نظریہ پیش کیا بلکہ ایک ایسی اشاراتی یا علامتی (Symbolic) زبان کی ضرورت کو بھی محسوس کیا جو ابہام، ذومعنویت اور فکری الجھاؤ سے پاک ہو۔ رسل اسی زبان کو سائنسی تعلیم اور وحدت علوم کے لیے ضروری خیال کرتا تھا۔ وہ سمجھتا تھا کہ عام روزمرہ کی گفتگو میں استعمال ہونے والی زبان اعلیٰ سائنسی نظریات کے ابلاغ و اظہار کا ذریعہ نہیں بن سکتی چنانچہ اس نے جارج بوول اور وائٹ ہیڈ کے تعاون و اشتراک سے ''انٹرنیشنل انسائیکلوپیڈیا آف یونیفائیڈ سائنسز'' کی متعدد جلدیں چھاپیں۔ رسل کی اس کاوش کی اساس منطق اور ریاضی کا ملاپ تھا۔ وہ سمجھتا تھا کہ ریاضیاتی منطق ہی ایسی بلند پایہ اشاراتی زبان کی تخلیق کرسکتی ہے جو ایک طرف مختلف سائنسز کو وحدت بخشے اور دوسری طرف خالص سائنسی اور تکنیکی نظریات کا بے عیب اور قابل اعتماد اظہار و ابلاغ کرے۔ اس ضمن میں رسل نے جو کتابیں لکھیں ان میں ''اصول ریاضی''، ''فلسفہ کا خاکہ''، ''ذہن کا تجزیہ''، ''مادے کا تجزیہ'' اور ''خارجی دنیا کے بارے میں ہمارا علم'' سرفہرست ہیں۔

جیسا کہ پہلے کہا جاچکا ہے کہ سیاسی و سماجی مسائل سے دلچسپی رسل کو ورثے میں ملی تھی۔ اپنی فکری زندگی کے ابتدائی دور میں جب کہ رسل کی ذہنی و تخلیقی صلاحیتیں اپنے عروج پر تھیں وہ منطق و ریاضی کی تجریدی گہرائیوں میں مستغرق رہا اور سیاسی اور سماجی مسائل سے اس کی دلچسپی دبی رہی۔ لیکن جب جنگ عظیم کے مہیب شعلے بلند ہوئے اور دیکھتے ہی دیکھتے انہوں نے اقوام عالم کو اپنی لپیٹ میں لے لیا تو رسل کا حساس ذہن یہ سوچنے پر مجبور ہوگیا کہ اسے منطق و ریاضی کی روکھی پھیکی تجرید سے نکل کر زندگی کے ٹھوس اور سنگلاخ حقائق کی طرف توجہ دینا چاہیے اور جنگی جنون و وحشت جس طرح انسانی خون

MashalBooks.org

کو ارزاں اور شرف انسان کو پامال کر رہے ہیں، اسے قلمی اور عملی جدوجہد سے روکنا چاہیے۔ رسل اپنی سوانح عمری میں لکھتا ہے:

''جنگ کے حالات نے مجھے بہت زیادہ متاثر کیا لیکن ان معاملات سے دستبردار ہونا میرے لیے مشکل تھا اور نہ مجھے اندازہ تھا کہ مجھے کیا کرنا چاہیے۔ میں متشکک مزاجی کا شکار تھا۔ عجب قسم کا چڑچڑا پن مزاج کا حصہ بن گیا تھا۔ میں جانتا تھا کہ احتجاج کرنا میرا فرض ہے۔ سچائی کا دلدادہ ہوتے ہوئے میں شریک جنگ اقوام سے ناراض رہتا تھا۔ میرا خیال تھا کہ بہت سے افراد تہذیب وتمدن کے ہمنوا ہوتے ہوئے بھی انسان کو دور وحشت کی طرف واپس لے جانا چاہتے ہیں۔''

رسل کو جس بات کا بہت زیادہ دکھ تھا وہ یہ تھی کہ عوام کی اکثریت بھی جنگ کی حامی بن گئی تھی۔ جنگی جنون نے فوج وسیاسی طالع آزماؤں کو ہی نہیں بلکہ گلیوں محلوں میں عام لوگوں اور بہت سے دانش وروں کو بھی اپنی لپیٹ میں لے لیا تھا وہ لکھتا ہے:

''میں جنگ کی تباہ کاریوں کے بارے میں سوچتا رہتا تھا اور میرا ذہن ماؤف ہو کر رہ گیا تھا۔ سب سے بڑا خطرہ جو ہر دم مجھے لاحق رہتا تھا یہ تھا کہ معصوم افراد کے مصائب بڑھ جائیں گے۔ لیکن ہمارے ملک کی بچانوے فیصد آبادی از حد خوش تھی۔ میں ان دنوں تحلیل نفسی کے بارے میں کچھ بھی معلومات نہیں رکھتا تھا مگر انسانیت کے جذبے سے سرشار رہ کر، طبع انسان کے ذہنی مسائل کے بارے میں غور وفکر میں مصروف رہتا۔ میرا خیال تھا کہ اولاد والدین کو بہت عزیز ہوتی ہے مگر جنگ کے اثرات نے عام افراد کے ان جذبات کو ماند کر دیا۔ میرا گمان تھا کہ مال ودولت کی چاہت لوگوں کو بزدل بنا دیتی ہے مگر جنگ نے لوگوں کو دھن دولت کی محبت سے بھی بے نیاز کر دیا تھا۔''

رسل آگے چل کر لکھتا ہے:

''میرا عقیدہ تھا کہ دانشور طبقہ حق وانصاف کا علمبردار ہوتا ہے مگر پتہ چلا کہ صرف دس فیصد لوگ حق گوئی اور حقیقت پسندی کے روادار تھے...... جنگ کسی صورت میں بھی انسان کی فلاح و بہبود کے لیے نہیں لڑی جا رہی تھی، بلکہ سیاسی بالادستی منوانے کا ایک عجیب حربہ تھا۔ اسی سوچ نے مجھے سیاستدانوں سے متنفر کر دیا...... جیسے ہی جنگ شروع ہوئی مجھے محسوس ہوا کہ کوئی قدرتی آواز تھی جو میرے اندر نئی روح پھونک رہی تھی۔ میں نے دل

MashalBooks.org

میں ٹھان لی تھی کہ مجھے ہر قیمت پر جنگ کی مخالفت کرنا ہوگی، چاہے میرے احتجاجی استدلال کو کتنا ہی مہمل اور ناکارہ کیوں نہ تصور کیا جائے۔ جملہ جنگجو اقوام کے پروپیگنڈے نے مجھے مزید مضمحل کر کے رکھ دیا اور جنگ نواز ممالک کی پالیسیاں مجھے بہت بے قرار کرتی تھیں۔ میں حق پرست اور حقیقت پسند شخص تھا۔ میں تہذیب وتمدن کا فریفتہ تھا مگر اس زمانے کی جنگی پالیسیاں دیکھ کر مجھے ایسا محسوس ہوتا تھا جیسے ہم وحشت اور بربریت کے دور کی طرف مراجعت کر رہے ہیں۔''

رسل نے اخبارات اور رسائل میں جنگ کے خلاف بہت سخت مضامین لکھے۔ اس کے علاوہ اس نے جبری بھرتی کے خلاف عملی طور پر بھی مہم چلائی کہ معصوم لوگوں کو جنگ کی بھٹی میں جھونکنا سماجی اور اخلاقی طور پر انتہائی معیوب اور ناپسندیدہ ہے۔ چنانچہ اس جرم کی پاداش میں اسے ۱۹۱۴ء سے ۱۹۱۸ء تک کا زمانہ قید وبند کی صعوبتیں سہتے ہوئے گزارنا پڑا۔

جب رسل کو جیل لے جایا جا رہا تھا تو ایک دلچسپ واقعہ پیش آیا۔ جیل کے وارڈن نے رسل کے کوائف کا اندراج ایک رجسٹر میں کرتے ہوئے اس سے اس کے مذہب کے بارے میں پوچھا۔ رسل نے جواب دیا کہ میں ایک لاادری (Agnostic) ہوں۔ جس کا مطلب یہ تھا کہ میں نہ تو یہ جانتا ہوں کہ خدا ہے اور نہ ہی یہ جانتا ہوں کہ وہ نہیں ہے۔ وارڈن نے اس لفظ کے ہجے پوچھے اور رجسٹر میں اندراج کرتے ہوئے کہا ''دنیا میں بہت سے مذاہب ہیں...... اور شاید یہ بھی ایک مذہب ہے...... مگر میرا خیال ہے کہ ہر مذہب کے لوگ ایک ہی خدا کے ماننے والے ہیں۔'' رسل کو ستمبر ۱۹۱۸ء میں جیل سے رہائی نصیب ہوئی۔

جنگ کے خلاف رسل نے جو مہم چلائی اس سے اسے یہ تکلیف دہ سبق ملا کہ صرف حکومتی اور سیاسی راہنما ہی جنگی جنون اور انتقامی جذبات کا شکار نہیں ہوتے بلکہ عوام الناس کی اکثریت بھی اس رو میں بہہ جاتی ہے اور جنگ وجدل اور قتل وغارت سے ایک قسم کا حظ اور مسرت حاصل کرتی ہے۔ اس سے رسل اس نتیجہ پر پہنچا کہ ہماری تہذیب میں انسانوں کی اکثریت آج بھی اپنی فطرت کی گہرائیوں میں وحشت وبربریت، جوشِ انتقام اور تخریبی رویوں کو پنہاں رکھتی ہے چنانچہ بہتر دنیا کی تشکیل اور پائیدار امن کے قیام کے

لیے ضروری ہے کہ انسان کے نفسیاتی رویوں میں بنیادی تبدیلیاں پیدا کی جائیں۔ رسل کے اندر ایسی بنیادی نفسیاتی تبدیلیوں کی خواہش اتنی شدید تھی کہ وہ فلسفہ اور ریاضی کی تجریدی اور نصابی دنیا سے نکل کر سماجی اور سیاسی مسائل کی پر خار وادی میں اتر آیا۔

نظام بندی (System Building) فلسفے کی ایک نمایاں روایت رہی ہے۔ قدیم فلاسفہ افلاطون اور ارسطو ہوں یا جدید فلاسفہ ڈیکارٹ اور اسپوزا، انہوں نے بڑے بڑے نظام ہائے فکر پیش کیے۔ ایک فلسفیانہ نظامِ فکر کی بنیادی خصوصیت یہ ہوتی ہے کہ اس میں متعلقہ مفکر ایک بنیادی بصیرت یا اساسی اصول کا ادراک کرتا ہے اور اس کو حیات و کائنات کے تمام پہلوؤں پر پھیلا دیتا ہے۔ افلاطون کو دیکھیے، اُسے اعیان وامثال کی معروضیت کا وجدان حاصل ہوا چنانچہ اس کی مابعد الطبیعیات ہو یا علمیات، سیاست و اخلاق کے مسائل ہوں یا طبیعیات وفلکیات کے قوانین، سب پر اسی وجدان کا گہرا رنگ چڑھا ہوا نظر آئے گا۔ یہی حال ارسطو، ڈیکارٹ، اسپنوزا، لائبز وغیرہ کا ہے۔ نظام بندی کی یہ روایت ہیگل کے فلسفہ پر آ کر منتج ہوتی ہے۔ ہیگل کے بعد کا دور عمومی طور پر نظام بندی کا دور نہیں بلکہ فکری تحریکات کا دور ہے۔ جس میں ہمیں منطقی اثباتیت، وجودیت، جدلیاتی مادیت وغیرہ کی فکری تحریکیں نمایاں طور پر نظر آتی ہیں۔ ایک فکری تحریک میں یہ نہیں ہوتا کہ کسی اساسی وجدان سے حیات وکائنات کے بارے میں مختلف نظریات کو منطقی طور پر مستنبط کیا جائے، اس کے برعکس کسی فکری تحریک کے ارکان چند بنیادی حقیقتوں کو اصولی طور پر تسلیم کر کے اپنے اپنے انداز میں ان کی توضیع وتشریح کرتے ہیں۔

اس نقطہ نظر سے دیکھا جائے تو رسل کو ہم نظام بند فلسفی نہیں کہہ سکتے۔ اس میں شک نہیں کہ آپ کو اس کے نصابی فلسفے میں منطقی ربط وتسلسل ضرور نظر آئے گا۔ لیکن اس کے عمرانی اور سیاسی افکار پر اس کی مابعد الطبیعیاتی اور منطقی بصیرت کا اثر نظر نہیں آتا۔ اس لحاظ سے ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ اس کے تعلیمی، سیاسی، اخلاقی اور سماجی نظریات اس کے نصابی فلسفے کی توسیع ہیں۔ وہ برٹرینڈ رسل جو جنگ کے شعلوں میں جل کر راکھ ہو گیا تھا، خشک، متشدد اور بے رحم منطقی اور ریاضی دان تھا جو صحت فکر اور لسانی تجزیہ کی قربان گاہ پر کسی قسم کے جذبہ کو بھی ذبح کرنے سے دریغ نہیں کرتا تھا۔ لیکن پرانے رسل کی خاکستر سے نیا جنم لینے والا رسل رحم دل، جذبوں کی حدت سے پگھل جانے والا، انسانیت کی تذلیل وتحقیر پر

MashalBooks.org

کڑھنے والا، انسانی حقوق کی پامالی پر آنسو بہانے والا، جہالت، وحشت اور بربریت کے خلاف سینہ سپر ہو جانے والا اور تمام بنی نوع انسان کے لیے ایک تابناک اور خوش آئند مستقبل کے خواب دیکھنے والا برٹرینڈ رسل ہے۔ یہ اپنے عمرانی، سیاسی اور تعلیمی افکار میں ایسا ہی رسل نظر آتا ہے۔ یہ رسل ہمیں ایک شاعر، ایک صوفی، ایک مصلح اور امن و آشتی کا ایک پیامبر محسوس ہوتا ہے۔ اپنی کتاب ''سائنسی نقطہ نگاہ'' کے باب ''سائنس اور اقدار'' میں وہ رقمطراز ہے:

''اگر امن اور سکون و اطمینان بہت بڑے مقاصد ہیں تو ہم خوشی اور مسرت کو ہی مقصد حیات بنا سکتے ہیں۔ جو شخص طاقت کو برائے طاقت حاصل کرنے کا خواہاں ہوتا ہے، اس کی ہوس اقتدار بڑھتی چلی جاتی ہے۔ اور اسے کہیں بھی چین نصیب نہیں ہوتا۔ عاشق یا شاعر ایسے شخص سے کہیں زیادہ بہتر ہوتے ہیں کیونکہ ان کا مطلوب و مقصود ان کے لئے وجہ قرار ہوتا ہے اور اس کا خیال و تصور ہی ان کے لیے روحانی ذہنی مسرت کا باعث ہوتا ہے۔ طاقت کا پجاری ہر دم نئی سے نئی ایجاد کی دریافت میں سرگرداں رہتا ہے اور اگر وہ ایسا نہ کرے تو وہ اپنے اندر ایک خلاف سا محسوس کرتا ہے کیونکہ اس کے دماغ پر صرف طاقت کا نشہ چھایا ہوتا ہے۔ لطیف جذبات اس کے لیے اجنبی ہوتے ہیں۔ عاشق کی تسکین (واضح رہے کہ میں عشق و محبت کو وسیع ترین مفہوم میں استعمال کر رہا ہوں) جابر و قاہر کی تسکین سے کہیں زیادہ وقیع اور برتر ہے اور اسے بلند ترین مقاصد حیات میں شمار کرنا چاہیے۔ میں جب اپنی زندگی کی آخری سانسیں لے رہا ہوں گا تو مجھے یہی خیال تکلیف نہیں دے گا کہ میری متاع حیات ضائع ہو گئی ہے۔ مجھے احساس ہوگا کہ میں نے شام کے وقت افق کے کناروں کو گلنار ہوتے دیکھا ہے، صبح دم شبنم کو گلوں اور پتوں پر جھلملاتے دیکھا ہے اور کہر آلود دنوں میں برف پوش وادیوں کا نظارہ کیا ہے۔ تب میرے لئے یہ احساس باعث تسکین ہوگا کہ میں نے خشک سالی کی ماری ہوئی زمین کو موسلا دھار بارش میں جل تھل ہوتے دیکھا ہے اور کورن وال (Cornwall) کے ساحلوں پر بحر اوقیانوس کی بپھری ہوئی لہروں کو سر پٹختے دیکھا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ سائنس ان لوگوں کے لیے ایسی خوشیاں فراہم کر سکتی ہے جو بذات خود ایسے مناظر قدرت کو دیکھنے کی استطاعت نہ رکھتے ہوں۔ (۱) اگر ایسا ہو تو سائنس کا استعمال دانشمندانہ ہوگا۔ لیکن جب سائنس زندگی کو اس کی بنیادی قدروں سے محروم کر دیتی ہے تو سائنس کا کردار قابل تعریف نہیں رہتا۔ اقدار

MashalBooks.org

(Values) کا دائرہ عمل سائنس کے میدان سے باہر ہے۔ ہم سائنس کو صرف اس حد تک قدر کا حامل کہہ سکتے ہیں کہ اس کی حیثیت علمی ہے لیکن اگر اسے قوت واقتدار کے وسیلہ کے طور پر دیکھا جائے تو یہ قدر رے سے عاری ہے۔ سائنسی تکنیک کا صرف ایک وظیفہ ہونا چاہیے اور یہ ہے کہ انسانی زندگی کو بہتر بنایا جائے اور اگر یہ انسانی اقدار ہی کو پامال کر ڈالے تو یہ قابل مذمت ہے۔''

اگر چہ رسل مختلف سماجی واخلاقی مسائل کے حل کے لیے مختلف اور متنوع نقطہ ہائے نظر اختیار کرتا ہے، تاہم یہ کہا جاسکتا ہے کہ چند بنیادی اقدار ایسی ہیں جو اس کے ان تمام نظریات میں رواں دواں ہیں۔ یہ اقدار ہیں امن، حقیقی مسرت، احترام آدمیت، بنی نوع انسان کی فلاح اور سب سے بڑھ کر آزادی۔ آزادی رسل کے نظام اقدار میں مرکزی حیثیت رکھتی ہے۔ وہ فکر ونظر کی آزادی، مذہبی آزادی، آزاد تعلیم اور جنسی آزادی کا نقیب ہے۔ وہ کہتا ہے کہ ہمارے سماج کی تعمیر جبر پر ہوئی ہے۔ جدید معاشرہ انسانی آزادی کو کچلنے کے درپے ہے، اسی لیے فکر وعمل اور اظہار و ابلاغ پر طرح طرح کی پابندیاں عائد کر دی گئی ہیں۔ اس طرح جدید انسان نہ حصول مسرت کا آرزومند ہوسکتا ہے اور نہ ہی بہتر انسان بننے کی تحریک پاسکتا ہے۔ اس کی زندگی پر طرح طرح کے خطروں، اندیشوں اور مصلحتوں کے سائے منڈلاتے رہتے ہیں۔ بہتر انسانی سماجی اس وقت تک تشکیل پذیر نہیں ہوسکتا جب تک انسان کو اس کے بنیادی اور پیدائشی حق آزادی سے بہرہ مند نہیں کیا جاتا۔

آزادی کی شدید خواہش کی وجہ سے ہی رسل نے کمیونزم کی مخالفت کی۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ کمیونسٹ معاشرے اور اشتراکی نظام تعلیم کے بعض پہلوؤں کی تعریف کرتا ہے، لیکن مجموعی طور پر وہ اشتراکیت کو انسان دشمن قرار دیتا ہے۔ وہ ایک ایسے معاشرے اور ایک ایسے نظام تعلیم کا خواب دیکھتا ہے جس میں انسان کی جسمانی اور ذہنی صلاحیتیں آزادانہ طور پر ارتقاء پذیر ہوسکیں۔ وہ اس معاملے میں جان ڈیوی اور ولیم جیمز کا ہمنوا ہے۔

زیر نظر کتاب میں مختلف سماجی موضوعات پر رسل کے چند اہم مضامین کا اُردو ترجمہ پیش کیا گیا ہے۔ اس مضامین میں فرد آزاد کی عبادت، کو خاص اہمیت حاصل ہے۔ بعض نقاد اس مضمون کو بیسویں صدی کی بائبل قرار دیتے ہیں۔ یورپ میں یہ مضمون متعدد

جرائد ورسائل میں شائع ہوا۔ خود رسل نے بھی اسے ایک سے زیادہ مجموعہ ہائے مضامین میں شامل کیا ہے۔ یہ مضمون رسل کے سماجی فلسفہ کا ملخص ہے۔ علاوہ ازیں زیرِ نظر انتخاب میں آزادیِ نسواں، شادی، جنس اور مسرت جیسے اہم موضوعات کے مضامین بھی شامل ہیں۔

یہ اعزاز ادارہ ''مشعل پاکستان'' کو حاصل ہے کہ رسل کے سماجی فلسفہ کے اہم ترین موضوعات پر اردو زبان میں پہلی مرتبہ یہ انتخاب آپ کی خدمت میں پیش کیا جا رہا ہے۔ ادارہ مشعل گزشتہ دس برس سے اس سعی و کاوش میں مشغول ہے کہ مختلف سائنسی، علمی اور ادبی کتب ورسائل کے اُردو تراجم قارئین کو مہیا کرے۔ بنیادی طور پر مشعل ایک غیر کاروباری ادارہ ہے جس کے پیشِ نظر مالی منفعت نہیں۔ مشعل کے تحت چھپنے والی کتب کا انتخاب ان کے معیار اور ملک میں ان کی علمی ضرورت کے پیشِ نظر کیا جاتا ہے۔ قبل ازیں رسل کی ایک اہم کتاب ''تعلیم اور سماجی نظام'' کا اُردو ترجمہ بھی پیش کیا جا چکا ہے۔ اس کتاب کا ترجمہ بھی زیرِ نظر کتاب کی طرح جناب قاضی جاوید نے کیا ہے۔ قاضی صاحب کا نام محتاجِ تعارف نہیں۔ موصوف ایک کہنہ مشق مترجم اور بالغ نظر دانشور ہیں۔

زیرِ نظر کتاب کی ایک خوبی یہ ہے کہ اس میں رسل کے بکھرے ہوئے سماجی افکار ایک باقاعدہ فلسفہ کی وحدت اختیار کر گئے ہیں۔ اردو زبان میں تخلیق و تحقیق کرنے والے حضرات کے لیے یہ ایک بہت بڑی سہولت ہے۔ قاضی جاوید صاحب کا یہ رواں اور سلیس ترجمہ علمی سطح پر اردو زبان کی وسعت کا باعث ہوگا۔ مجھے امید ہے کہ محققین کے علاوہ سنجیدہ ادب کے شائقین بھی اس کے مطالعے سے لطف اندوز ہوں گے۔

ملک کے معروف صحافی اور ادیب جناب مسعود اشعر ادارہ مشعل میں ایڈیٹر کے فرائض انجام دے رہے ہیں۔ انہوں نے جس لگن اور مختصر وقت میں اس کتاب کی طباعت واشاعت کا اہتمام کیا ہے، اس کے لیے وہ مبارکباد کے مستحق ہیں۔

(ڈاکٹر نعیم احمد)
جامعہ پنجاب نیو کیمپس لاہور
۲۵ فروری ۱۹۹۴ء

MashalBooks.org

فردِ آزاد کی عبادت

ڈاکٹر فاؤسٹ کو اُس کی سٹڈی میں میفسٹوفیلس نے آفرینش کا قصہ یوں سنایا تھا:

''فرشتوں کے طائفوں کی ابدی تعریفیں خدا کے بے زار کرنے لگی تھیں۔ کیا وہ اُن کی حمد و ثنا کا مستحق نہ تھا؟ کیا اُس نے ان فرشتوں کو ابدی مسرتیں عطا نہ کی تھیں؟ اس کے بجائے کیا زیادہ خوش کن بات یہ نہ ہوگی کہ ایسی حمد و ثنا حاصل کی جائے جس کا جواز نہیں اور ایسی مخلوق سے پرستش کروائی جائے جس کو وہ اذیتیں دے۔ یہ سوچ کر وہ دل ہی دل میں مسکرایا اور طے کیا کہ عظیم کھیل کھیلا جانا چاہیے۔''

''ان گنت زمانوں تک تپتا ہوا سحابیہ فضاؤں میں لڑکھتا رہا اور آخر کار صورت پذیر ہونے لگا۔ مرکزی تودے نے سیاروں کو جنم دیا اور سیارے ٹھنڈے ہوئے۔ کھولتے ہوئے سمندر اور جلتے ہوئے پہاڑ وجود میں آئے۔ سیاہ بادلوں سے تپتی ہوئی بارشوں کے طوفان امڈے، جنہوں نے ٹھوس ہوتی ہوئی بالائی سطحوں کو غرق کر دیا۔ پھر سمندر کی گہرائیوں میں زندگی کا پہلا جرثومہ نمودار ہوا اور زندگی تیزی سے حرکت کرنے لگی۔ عظیم الشان جنگل نمودار ہوئے، سمندری عفریت جنم لینے لگے۔ انسان نے جنم لیا۔ انسان سوچنے کی قوت، خیر و شر کا علم اور پرستش کی ظالمانہ پیاس کا حامل تھا اور انسان نے دیکھا کہ اس پاگل اور بے ہنگم دنیا میں ہر کوئی موت کے بے رحم ہاتھوں میں جانے سے پہلے ہر قیمت پر زندگی کے چند لمحوں کی چھینا چھپٹی میں مصروف ہے اور انسان نے کہا کہ ضرور اس کے پیچھے کوئی مقصد ہے۔ کاش ہم اسے جان سکیں اور یہ مقصد ضرور اچھا ہوگا۔ ضرور کوئی ہستی ہے جس کی ہم پوجا کریں اور ہمارے سامنے کی دنیا میں ایسی کوئی ہستی نہیں۔ تب انسان اپنی جد و جہد سے ہٹ گیا۔ اُس نے سوچا کہ خدا کا منشا یہ ہوگا کہ انسانی کاوشوں سے انتشار میں نظم پیدا کرے اور پھر جب اُس نے ان جبلتوں کی پیروی کی جو درندوں سے خدا

نے اُسے منتقل کی تھیں، تو انسان نے اُسے گناہ کا نام دیا۔ اور خدا سے معافی کا طلب گار ہوا، پھر اُسے شک تھا کہ کیا اُسے معاف بھی کیا جا سکتا ہے یہاں تک کہ اُس نے ایک خدائی منصوبہ گھڑ لیا جس کے ذریعے خدا کے غضب کو ٹھنڈا کیا جا سکتا تھا اور یہ دیکھتے ہوئے کہ حال بد ہے، انسان نے اُسے اور بھی بدتر بنا لیا تاکہ مستقبل سنوارا جا سکے۔ پھر اُس نے اُس قوت کے لیے خدا کا شکر ادا کیا، جس کے ذریعے اُس نے ممکنہ مسرتوں کو بھی تیاگ دیا تھا۔ اس پر خدا مسکرایا اور جب خدا نے دیکھا کہ انسان نفس کشی میں اور پرستش میں کامل ہو گیا ہے تو اُس نے ایک اور آفتاب آسمانوں سے بھیج دیا جو انسان کے سورج سے ٹکرایا اور سب کچھ پھر سے سحابیہ میں ڈھل گیا۔''

''ہاں وہ بڑبڑایا: یہ دلچسپ کھیل تھا میں ناٹک دوبارہ رچاؤں گا۔''

سائنس اس کائنات کی جو تصویر پیش کرتی ہے وہ اس سے بھی زیادہ بے معنی اور بے مقصد ہے۔ خیر ہمارے آدرشوں کو اسی قسم کی دنیا میں جگہ بنانی ہے جو اپنے مقاصد کی کوئی پیش بینی نہیں رکھتی تھیں۔ انسان کی اصل، اُس کی نشو و نما، اس کی اُمیدیں اور خوف، محبتیں اور عقیدے سب کے سب سالمات کے حادثاتی اجتماع کا ماحصل ہیں اور یہ کہ کوئی آگ، کوئی کارنامہ، فکر کی کوئی شدت اور احساس کی گہرائی، انفرادی زندگی کو موت کے بعد برقرار نہیں رکھ سکتی۔ تمام زمانوں کی محنتوں، وفاداریوں، تخلیقی وجدانوں اور انسانی ذہن کی کامرانیوں کا مقصد بس یہ ہے کہ وہ نظام شمسی کی عظیم موت کے ساتھ ہی فنا ہو جائیں، انسانی حاصلات کا مندر کائناتی ملبے میں ڈھیر ہو جائے --- یہ سارے امور اگرچہ شک و اختلاف سے بالاتر نہیں، لیکن اتنے یقینی ضرور ہیں کہ انہیں مسترد کر کے کوئی فلسفہ قائم نہیں رہ سکتا۔ ان سچائیوں کے حصار میں رہتے ہوئے یاس کی مضبوط اساس پر ہی روح کا مسکن تعمیر کیا جا سکتا ہے۔

اچھا تو پھر اتنی دشمن اور غیر انسانی دنیا میں انسان جیسی بے بس مخلوق اپنی اُمیدوں اور تمناؤں کو کیونکر برقرار رکھ سکتی ہے؟ یہ عجیب بھید ہے کہ اندھی لیکن قادر مطلق فطرت نے بالآخر ایک ایسی مخلوق کو جنم دیا ہے جو اُس کے اختیار سے ماورا نہ سہی لیکن صاحب بصیرت ہے، خیر و شر کا علم اور خود فطرت کے کاموں کا جائزہ لینے کی صلاحیت رکھتی ہے۔ موت فطرت کی بالادستی کی علامت ہے اس کے باوجود انسان اپنی مختصر زندگی میں